جناب محمد مظہرالدین صدیقی

دینی اور قومی اخلاق

ہمارے تمام اخلاقی افعال و اوصاف نصب العین کی پیداوار ہوتے ہیں۔ اگر ہمارا نصب العین ذاتی اغراض و مفاد کی پرستش پر مبنی ہو تو ہماری اخلاقی خصوصیات میں بھی پرستش ذات کا رنگ نمایاں ہوگا اور لوگوں سے ہماری ساری معاملت اس نقطہ نظر سے ہوگی کہ وہ ہمارے ذاتی مفاد کی ترقی میں کہاں تک ممد و معاون ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر ہم پر اجتماعی اغراض اور معاشرتی سود و بہبود کا تصور غالب ہے تو ہم دوسرے انسانوں کو صرف اپنے ذاتی اغراض و مفاد کا آلہ کار بنانا پسند نہیں کرینگے بلکہ یہ بھی دیکھیں گے کہ ہمارے نصب العین کی تکمیل میں جو امداد وہ ہمیں بہم پہنچا رہے ہیں اس میں اُن سے کوئی ایسا فعل تو سرزد نہیں ہوتا ہے جو اجتماعی اور معاشرتی مفاد کے منافی ہو۔ اس کے برعکس ذاتی اغراض کا پرستار اور شخصی مفاد کو محبوب رکھنے والا شخص دوسرے اشخاص کو صرف اس نقطہ نظر سے دیکھے گا کہ وہ اس کے اغراض کہاں تک پورے کر سکتے ہیں۔ اس کو اس امر سے کوئی بحث نہیں ہوگی کہ ان اغراض کی تکمیل میں وہ معاشرتی اقدار و غایات اور اجتماعی مفاد کو فائدہ پہنچا رہے ہیں یا نقصان۔ غرضیکہ ذاتی منفعت کی پرستش انسان کو اجتماعی اقدار سے بیگانہ بنا دیتی ہے۔ ایسا شخص جو پرستش ذات کے مرض میں مبتلا ہو دوسرے انسانوں کی کوئی مستقل ہستی نہیں تسلیم کرتا ہے بلکہ سب کو ایک آلہ کار اور ذریعہ قرار دیتا ہے لیکن معاشرتی اغراض کے تحت کام کرنے والے اشخاص دوسرے افراد کو بھی ایک حد تک مقصد ذات قرار دیتے ہیں اور ان سے کام لینے میں یہ ضرور دیکھتے ہیں کہ خود ان کی سیرت و کردار کا ارتقا کس رُخ پر جا رہا ہے۔

پھر مقاصد اور نصب العین میں بھی باہم بے حد تنوع اور اختلاف ہوتا ہے۔ ذاتی اغراض و مفاد کے پرستاروں میں سے کوئی دولت چاہتا ہے۔ کوئی شہرت کا حریص ہوتا ہے۔ کوئی اقتدار و حکومت کا مقام حاصل کرنا چاہتا ہے۔ کسی کو عہدہ کی بھوک ہوتی ہے۔ غرضکہ پرستش ذات کا نصب العین مختلف شکلیں اختیار کر سکتا ہے۔ اور ہر شکل اپنے مناسب ایک خاص نمونۂ اخلاق پیدا کرتی ہے۔ اسی طرح اجتماعی اور معاشرتی نصب العین کی بھی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں۔ کوئی شخص سیاسی لیڈر بن کر قوم کی خدمت کرنا چاہتا ہے۔ کوئی دولت کما کر علمی اور مذہبی اداروں کی بنیاد رکھنا چاہتا ہے۔ کوئی تصنیف و تالیف کے ذریعہ اصلاح قوم کی خدمت انجام دینا چاہتا ہے کوئی عہدے اور مناصب اس غرض سے حاصل کرنا چاہتا ہے کہ ان کے ذریعہ سے قومی اغراض کی تکمیل کرے۔ ان میں سے ہر نصب العین

انسان کی اپنی ذاتی فطرت اور قدرتی صلاحیتوں سے پیدا ہوتا ہے اور ہر ایک اپنا ایک الگ طرزِ اخلاق پیدا کرتا ہے۔ اس طرح افراد کی اخلاقی پستی اور بلندی کا حال ان کے مقصدِ زندگی کو دیکھ کر معلوم کیا جا سکتا ہے۔ مطلقاً کوئی شخص اخلاق سے بالکل عاری نہیں ہو سکتا ہے۔ اس کے باوجود جب ہم یہ شکایت کرتے ہیں کہ فلاں شخص اخلاقی اعتبار سے بہت گرا ہوا ہے تو ہمارا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس نے اپنی زندگی کا نصب العین نہایت پست رکھا ہے۔

یہیں سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ مذہب کے پیدا کردہ اخلاق اور قومیت پرستی۔ نسل پرستی اور کمیونزم کے پیدا کردہ اخلاق میں کیوں فرق ہوتا ہے۔ اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں ہو سکتا ہے کہ جو قومیں مذہب کے اثر سے بالکل عاری ہیں اُن میں بھی اخلاق کی بلندی پائی جا سکتی ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہ ہوگا کہ قوم پرستانہ اخلاق یا اشتراکی اخلاق میں کوئی نقص اور خامی نہیں ہے یا یہ کہ اجتماعی ترقی اور معاشرتی فلاح کے لئے ان سے بہتر نظامِ اخلاق کی تعمیر ناممکن ہے۔ قومی اخلاق۔ اشتراکی اخلاق اور مذہبی اخلاق میں جو فرق نظر آتا ہے اس کا سبب یہی ہے کہ قوم پرستی کے مقاصد کچھ اور ہوتے ہیں۔ اشتراکیت کسی اور مقصد کو پیشِ نظر رکھتی ہے اور مذہب کسی اور مقصد کے لئے اپنا نظامِ اخلاق پیدا کرتا ہے۔ اس امر کا فیصلہ کرنے کے لئے کہ ان میں سے کون سا نمونہ اخلاق انسانی زندگی کے لئے زیادہ بہتر۔ مفید اور کارگر ہے ہمیں اُن مختلف مقاصد کا تجزیہ کرنا پڑے گا جن کے تحت قوم پرستی اشتراکیت اور مذہب اپنے اخلاقی اقدار کو منظم و مرتب کرتے ہیں۔ ان میں سے جس کا مقصد سب سے زیادہ وسیع۔ سب سے زیادہ عالمگیر اور فطرتِ انسانی کے قریب تر ہوگا اس کا اخلاقی نظام بھی بہتر ہوگا۔ محض یہ بات کہ قومی جذبات اور قوم پرستانہ طرزِ فکر یا اشتراکی طرزِ فکر سے انسانوں میں ایک خاص نوع کی اخلاقی بلندی اور مضبوطی پیدا ہو جاتی ہے اس امر کا تصفیہ کرنے کے لئے کافی نہیں ہے کہ یہ نمونۂ اخلاق ہمارے لئے بھی مفید ہوگا اور اسی کی بنا پر ہمیں بھی اپنی قومی اور اخلاقی تعمیر کرنی چاہئے۔

قوم پرستانہ طرزِ اخلاق کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس کے پیشِ نظر ایک محدود مقصد ہوتا ہے یعنی کسی خاص قوم کے اجتماعی مفاد کا تحفظ یا اس کی سیاسی اور معاشی برتری کا قیام۔ اس قسم کے اخلاق کو دوسری قوموں کے مفاد و ترقی سے کوئی بحث نہیں ہوتی ہے بجز اس کے کہ بین الاقوامی سیاست کے تقاضوں کی وجہ سے دو قوموں کے مفاد عارضی طور پر مشترک ہو جائیں۔ ایسی صورت میں ایک قوم کو دوسری قوم کی ترقی اور استحکام سے اس حد تک ضرور دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے۔ جس حد تک کہ اس کا اثر اپنی قوم کے مفاد اور مستقبل پر پڑتا ہے۔ لیکن یہ دلچسپی محدود اور عارضی ہوتی ہے اور اس کے اندر کوئی حقیقی انسانی خلوص نہیں پایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ قوموں کے باہمی تعلقات کی اساس وقتاً فوقتاً بدلتی رہتی ہے۔ جو قوم آج ہماری دوست اور حلیف ہے۔ بہت ممکن ہے کہ وہ کل دشمنوں کی صف میں نظر آئے یا بین الاقوامی صورت حال سے مجبور ہو کر ہمیں کسی اور قوم کے ساتھ دوستانہ تعلقات پیدا

کرنے پڑیں۔ اس لئے دوسروں کے مفاد سے ہماری دلچسپی اور عارضی ہوسکتی ہے۔ اسی طرح جن قوموں کو ہماری قوم اپنا دشمن تصوّر کرتی ہے یا جن کی توسیع و ترقی سے ہمارے اپنے قومی وجود کو خطرہ ہوتا ہے ان کے ساتھ ہمارا اخلاقی رویہ معاندانہ ہوتا ہے اور ہماری قومی جدوجہد کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کسی طرح اس قوم کو یا تو بالکل نیست و نابود کردیا جائے یا اس کو اتنا بے دست و پا بنادیا جائے کہ وہ ہمارے قومی اغراض و مفاد کی راہ میں حائل نہ ہوسکے

پھر قومیت کے اثرات کے تحت داخلی زندگی کا پورا نظامِ اخلاق اس نقطہ نظر سے مرتب ہوتا ہے کہ اس سے قوم کے اجتماعی تحفّظ اور مادی ترقی یا سیاسی برتری اور معاشی تفوق کو کہاں تک تقویت پہنچتی ہے۔ جن اعمال سے قومی تحفظ کو براہِ راست خطرہ پیدا ہوسکتا ہے انہیں قابلِ مذمت قرار دیا جاتا ہے۔ جن سے قومی عظمت و ترقی وابستہ ہوتی ہے ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ اسی کے ساتھ جن اعمال و اخلاق کا فوری اثر قوم پر بُرا نہیں ہوتا ان سے تعرض نہیں کیا جاتا ہے اور نہ انہیں قابلِ ملامت قرار دیا جاتا ہے خواہ عام انسانی نقطہ نظر سے وہ کتنے ہی خراب ہوں۔ مثلاً ماں باپ کے حقوق کا احترام قوم پرستانہ طرز اخلاق کی رو سے اتنا اہم نہیں ہوتا ہے۔ جتنا مذہبی اخلاق کی رو سے کیونکہ چند بوڑھے اور معذور افراد کی بے بسی سے قوم کے اجتماعی تحفظ یا ترقی میں کوئی خلل نہیں پیدا ہوسکتا ہے۔ اس کے برخلاف مذہب اس معاملہ کو قومی تحفظ یا ترقی کے نقطہ نظر سے نہیں بلکہ انسانیت کے عام نقطہ نظر سے بھی دیکھتا ہے۔ اس لئے اس کی نظر میں والدین کے حقوق کی بڑی اہمیت ہے۔ اسی طرح غیر شادی شدہ عورت کے ساتھ زنا کرنے کو قومی اخلاق اتنا بڑا جرم نہیں سمجھتا ہے جتنا کہ شادی شدہ عورت کے ساتھ کیونکہ اس کے نزدیک اصل چیز عفت اور پاکدامنی نہیں بلکہ جائداد و ملکیت کے حقوق کا احترام ہے چونکہ شادی شدہ عورت ملکیت کی تعریف میں آتی ہے اس لئے اس کی عصمت ریزی دراصل حقوق ملکیت کی پامالی ہے۔ لیکن غیر شادی شدہ عورت چونکہ آزاد ہے لہٰذا اس کے ساتھ زنا کاری اتنی معیوب نہیں سمجھی جاتی ہے مختصر یہ کہ چونکہ زنا کاری اور شراب خوری سے فوری طور پر کوئی قومی نقصان نہیں ہوتا ہے اس لئے ان دونوں برائیوں کو قوم پرست آسانی سے گوارا کرلیتا ہے حالانکہ مذہبی نقطۂ نظر سے یہ دونوں برائیاں ناقابل معافی ہیں کیونکہ ان سے انسان کے باہمی تعلقات میں تلخی، بدمزگی اور حاسدانہ جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ خاندانی نظم کے بکھر جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے انسان کی کارگردگی متاثر ہوتی ہے اور اس میں یہ قابلیت باقی نہیں رہتی ہے کہ وہ دلجمعی اور توجہ سے کوئی کام کرسکے۔ پھر زنا کاری اور ناجائز جنسی تعلقات سے اولاد کی تعلیم و تربیت پر بہت برے اثرات مترتب ہوتے ہیں۔ عورتوں اور مردوں کو اپنی اولاد سے وہ گہری دلچسپی باقی نہیں رہتی ہے جو ان کی صحیح تعلیم و تربیت کے لئے ضروری ہے علاوہ ازیں شراب خوری اور زنا کاری انسان کو تعیش پسندی اور لذت پرستی کا خوگر بنا کر اسے خواہشات

کی غلامی میں مبتلا کر دیتی ہے اور ہم بتا چکے ہیں کہ انسانی گمراہیاں اور اخلاق و سیرت کی تمام کمزوریاں ہوائے نفس کی بندگی سے پیدا ہوتی ہیں۔ غرض کہ ناجائز جنسی تعلقات اور شراب خوری فوری طور پر کوئی خراب اثر نہ پیدا کریں تب بھی ان کے نتائج آخر میں مہلک ثابت ہوتے ہیں۔ اس لئے مذہب جو افعال کے صرف قریبی اور فوری نتائج پر نہیں بلکہ ان کے بعید تر اثرات پر بھی نظر رکھتا ہے ان افعال کو مذموم اور قابل سرزنش قرار دیتا ہے۔ حالانکہ قومی نقطہ نظر سے انہیں کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں ہے۔

جب ہم مذہبی نصب العین کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ مذہب کو کسی مخصوص قوم کی مادی ترقی یا اجتماعی تحفظ سے بحث نہیں ہوتی ہے وہ تمام انسانوں کو بلا امتیاز نسل و قوم ایک آنکھ سے دیکھتا ہے۔ اور سب کے اجتماعی تحفظ۔ سب کی عزت اور خوشحالی کو یکساں عزیز رکھتا ہے اس لئے اس کے اخلاقی اقدار میں ایک عالمگیر شان پائی جاتی ہے۔ مذہب کا نصب العین یہ ہے کہ لوگوں میں احترام انسانیت کا جذبہ پیدا کیا جائے۔ تاکہ ہر انسان دوسرے کی ایک مستقل ہستی تسلیم کرے اور اسے محض اس نظر سے نہ دیکھے کہ وہ اس کے اپنے اغراض و مفاد کے لئے کہاں تک آلۂ کار کے طور پر استعمال ہو سکتا ہے بلکہ وہ دوسرے انسانوں کو بھی ایک صاحب مقصد وجود قرار دے۔ مذہب انسان کو نسلی اور قومی تعصبات سے آزاد کرانا چاہتا ہے اور ان کے اندر حقیقی مساوات اور اخوت کا جذبہ پیدا کرنا چاہتا ہے۔ وہ پست سے پست حیثیت انسان کے اندر خودداری کا جوہر اور شرف انسانیت کا احساس ابھارنا چاہتا ہے جس تحریک کا مقصد یہ ہو ظاہر ہے۔ کہ اس کا نظریہ اخلاق بھی بالکل جدا ہوگا۔ اس کے اقدار حیات بھی مختلف ہونگے کیونکہ وہ اسی نقطۂ نظر کو منوانے کے لئے کھڑا ہوا ہے جس کی قوم پرستانہ مذاہب تعلیم و تلقین کرتے ہیں۔ توحیدی مذاہب قومی عظمت و ترقی کے بجائے انسانیت کی عظمت اور انسانی صفات کی ترقی چاہتے ہیں۔ وہ دوسری قوموں سے نفرت و عداوت سکھانے کے بجائے ان اصولوں سے عداوت و نفرت سکھاتے ہیں۔ جن سے شرف انسانیت اور وقار آدمیت پامال ہوتا ہے۔ وہ اپنی قوم کی فتح اور عظمت کا ڈنکا بجانے کی جگہ اپنے اصولوں اور اقدار اخلاق کی فرمانروائی چاہتے ہیں۔ وہ ہر قوم اور ہر طبقہ کے افراد کو جو ان کی دعوت ان کے اصول حیات اور اقدار اخلاق کو تسلیم کریں، نہایت کشادہ دلی سے لبیک کہتے ہیں اور انہیں اپنے داخلی نظام میں وہی مقام عزت دینا چاہتے ہیں جو کسی اور قوم یا طبقہ کے افراد کو حاصل ہوں۔ وہ اپنی ہی قوم کے افراد کو مردود اور لائق نفرت قرار دیتے ہیں۔ اور ان کو اپنے نظام سے خارج کر دیتے ہیں جبکہ وہ ان کے نصب العین ان کے اصولوں۔ ان کے اقدار حیات اور نظام اخلاق کی پابندی سے انکار کر دیں۔ غرضکہ مذہب رغبت و نفرت اور الفت و عداوت کے کچھ دوسرے اصول بتاتا ہے جو قوم پرستانہ اصولوں سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ اس لئے ان دونوں کے

نظام اخلاق میں کوئی مناسبت نہیں ہوسکتی ہے کیونکہ دونوں کے مقاصد ایک دوسرے کے مغائر ہیں پھر مذہب چونکہ ایک عالمگیر انسانی سوسائیٹی کی تشکیل کرنا چاہتا ہے۔ جس میں تمام قوموں کے صحیح الفکر اور صحیح الاخلاق افراد شامل ہوسکیں اس لئے وہ قومی تعصبات وجذبات کو ابھارنے کی جگہ دباتا ہے۔ اور دوسری قوموں کے ساتھ عدل وانصاف کی تعلیم دیتا ہے مثلاً قرآن اس بات پر بشدّت مصر ہے کہ غیر مسلم اقوام اور جماعتوں سے جو معاہدات کئے جائیں ان کی پوری پوری پابندی عمل میں لائی جائے اور اگر فریق ثانی کی طرف سے یہ اندیشہ ہو کہ وہ نقض عہد کریگا تو معاہدہ کی معیاد گزرنے سے پہلے اس کو نوٹس دی جائے اور بغیر علم واطلاع معاہدہ شکنی نہ کی جائے۔

واما تخافن من قوم خیانۃ	اگر تمہیں کسی قوم کی طرف سے یہ خوف ہو معاہدہ ان پر برابر
فانبذ الیھم علی سواء۔ ان اللہ	برابر پھینک مارو۔ بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں
لایحب الخائنین۔	کرتا ہے۔

یہ طرز عمل اس اشتراکی اخلاق سے بالکل جدا ہے جس کی رو سے کمیونسٹ روس نے جاپانیوں کی علم و اطلاع کے بغیر اور ان سے معاہدات کی موجودگی میں ان کے ملک پر حملہ کر دیا۔

پھر قرآن کہتا ہے کہ مذہب کی راہ میں جو لڑائیاں تمہیں لڑنی پڑیں ان میں ظلم اور زیادتی کا ارتکاب نہ کرو اور اگر تمہارے مخالفین صلح پر مائل ہوں تو تم بھی لڑائی پر صلح کو ترجیح دو۔

قاتلوا فی سبیل اللہ الذین	خدا کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کریں لیکن
یقاتلونکم ولا تعتدوا۔	حد سے نہ بڑھو اور زیادتی نہ کرو۔
فان جنحوا للسلم فاجنح لھا و	پھر اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی صلح پر جھکو اور اللہ
توکل علی اللہ۔	پر بھروسہ رکھو۔

مزید برآں وہ یہ بھی تاکید کرتا ہے کہ اعدائے حق کی مخالفت تمہیں عدل وانصاف کے اصولوں سے نہ ہٹانے پائے۔ اور دشمنوں کی عداوت ومخالفت کے باوجود ان کے ساتھ پورا پورا عدل وانصاف کرو۔

لا یجرمنکم شنان قوم علی	کسی قوم کی عداوت تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اس
الا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب	کے ساتھ انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو یہ تقویٰ سے زیادہ
للتقویٰ۔	قریب ہے۔

پھر وہ منکرین کے مذہب کے دو گروہوں میں فرق کرتا ہے۔ ایک گروہ اس کے نزدیک وہ ہے۔ جو صرف مذہبی اصولوں کا انکار ہی نہیں کرتا ہے بلکہ ان کی اشاعت کو بزور قوت روکنا چاہتا ہے دوسرا

گروہ وہ ہے جو مذہبی اصولوں کو خود تو نہیں مانتا ہے لیکن جو لوگ ان اصولوں کی تبلیغ کرتے ہیں ان کی مزاحمت اور مخالفت بھی نہیں کرتا ہے ایسے لوگوں کے بارے میں اسلام کا حکم ہے کہ تم ان کے ساتھ انصاف اور حسن سلوک کے ساتھ پیش آؤ۔

لاینھکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین۔

اللہ تعالیٰ تمہیں اس بات سے نہیں منع کرتا ہے کہ جو لوگ تم سے دین کے بارے میں جنگ پر آمادہ نہیں ہوئے اور جنہوں نے تم کو گھروں سے نہیں نکالا ان سے تم نیکی اور انصاف کا سلوک کرو۔ بے شک اللہ انصاف پسند لوگوں سے محبت کرتا ہے۔

دوران جنگ میں عورتوں اور بچوں کے قتل کو اسلام منع کرتا ہے۔

عن عبداللہ ان امراۃ وجدت فی بعض مغازی النبیؐ مقتولۃ فانکر رسول اللہ ؐ قتل النساء والصبیان۔ (بخاری)

عبداللہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی غزوہ میں مقتول پائی گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کے قتل کو منع فرمایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ اسلام میں مدینہ کے یہودیوں کی شدید دشمنی کا سامنا کرنا پڑا تھا انہوں نے اپنی سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کروانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی لیکن آپ نے ان کی دشمنی کے مقابلے میں عفو و ترحم کا عجیب و غریب نمونہ پیش کیا۔ بنو قینقاع جب مدینہ سے جلاوطن کر دئے گئے اور ان کا زور بالکل ٹوٹ گیا تو ان کے چند افراد یا تو آنحضرتؐ کی اجازت سے مدینہ میں ٹھہر گئے یا آپؐ نے انہیں واپس بلوالیا۔ ان میں سے بعض افراد معذور اور ضعیف تھے۔ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے بیت المال سے روزینے مقرر فرما دیئے۔ یہ اس قوم کے ساتھ پیغمبر اسلام کا برتاؤ تھا جس نے اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا تھا۔

محکوم قوموں کے ساتھ اسلام نے جو سلوک روا رکھا تھا۔ اس کا اگر قوم پرستانہ اخلاق سے مقابلہ کیا جائے تو زمین و آسمان کا فرق نظر آئیگا۔ اسلام سے پہلے روم اور فارس کی سلطنتوں میں اقوام غیر کے حقوق غلاموں سے بھی بدتر تھے۔ شام کے عیسائی باوجودیکہ رومیوں کے ہم مذہب تھے تاہم ان کو اپنی مقبوضہ زمینوں پر کسی قسم کا مالکانہ حق نہ تھا بلکہ وہ خود ایک قسم کی جائداد خیال کئے جاتے تھے۔ چنانچہ زمین کی منتقلی کے ساتھ وہ بھی منتقل ہوتے تھے اور مالک سابق کو ان پر جو اختیارات حاصل تھے وہی قابض حال کو بھی حاصل ہو جاتے تھے۔ اسلام نے ان کو مستقل حقوق عطا کئے۔ حضرت عمرؓ نے غیر مسلم اقوام کے ساتھ جو معاہدات کئے ان کے فیاضانہ شرائط کا اندازہ بیت المقدس کے معاہدہ سے کیا جاسکتا ہے جس کی رو سے عیسائی علیا

کو جان و مال کی آزادی دی گئی۔ ان کے گرجاؤں اور کلیساؤں کی حفاظت کا ذمہ لیا گیا۔ عیسائیوں کی تالیف قلب کے لئے حضرت عمرؓ نے ان کی یہ شرط منظور کی کہ یہودی بیت المقدس میں نہ رہنے پائیں کیونکہ عیسائیوں کے خیال میں حضرت عیسیٰؑ کو یہودیوں نے مصلوب کیا تھا۔ یونانیوں کو جنہوں نے مسلمانوں کا مقابلہ کیا تھا اجازت دی گئی کہ وہ چاہیں تو بیت المقدس میں رہیں اور چاہیں تو وہاں سے نکل جائیں۔ بیت المقدس کے عیسائیوں کو حضرت عمرؓ نے اجازت دی کہ اگر وہ رومیوں سے جا ملنا چاہیں جو مسلمانوں کے دشمن تھے تو ان سے کوئی تعرض نہیں کیا جائیگا۔ ذمیوں کے جان و مال کو مسلمانوں کے جان و مال کے برابر قرار دیا گیا۔ اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو مار ڈالتا تو اس کے بدلہ میں مسلمان کو قتل کر دیا جاتا۔

یہ طرز اخلاق جس کا کچھ خاکہ گذشتہ فقرات میں پیش کیا گیا ہے ایک قوم پرستانہ تہذیب کے بس کی بات نہیں ہے بلکہ اس کے اقدار حیات کے بالکل منافی ہے۔ اس کی وجہ صرف اتنی ہے کہ مذہب کا نصب العین قوم پرستانہ مقاصد سے بالکل جدا ہے۔ مذہب کو ایک عالمگیر انسانی معاشرہ کا قیام مقصود ہے اس لئے وہ مخالفین مذہب کو مٹانا نہیں چاہتا ہے بلکہ انہیں اس عالمگیر سوسائٹی کا جزو بنانا چاہتا ہے۔ جہاں تک وہ ان کی نافہمی اور عداوت کی وجہ سے ان کے خلاف تلوار اُٹھانے پر مجبور ہوتا ہے وہاں تک تو ان کے ساتھ معاندانہ برتاؤ کرتا ہے لیکن اگر وہ اپنے دشمنوں کے ساتھ معاملت کرنے میں حق و انصاف کا دامن چھوڑ دے تو غیر قوموں کو وہ اپنے نظام حیات میں شامل کرنے کی توقع کیسے کر سکتا ہے۔ اس کی کامیابی کا دار و مدار تو اس پر ہے کہ وہ دوسری قوموں کے اندر یہ اعتماد پیدا کر دے کہ اُسے کسی مخصوص قوم کے ساتھ محبت یا عداوت نہیں ہے بلکہ وہ ہر قوم کا سچا بہی خواہ اور حقیقی مفاد کا محافظ ہے۔ اگر وہ اپنی بے انصافی، ظلم اور بے اصولی سے دوسری قوموں کے ذہن میں یہ خیال پیدا کر دے کہ یہ سب کام کسی مخصوص قومی گروہ کے مفاد و ترقی کی خاطر ہو رہا ہے تو اشاعت مذہب کا سلسلہ رک جائے گا۔ لوگ اس کے اصولوں کو ماننا چھوڑ دینگے اور اس کی بنائی ہوئی عالمگیر سوسائٹی میں غیر اقوام کا داخلہ رک جائے گا۔ اس لئے مذہب اپنے عالمگیر مشن اور نصب العین سے مجبور ہے کہ وہ قومی تعصبات سے آزاد رہے اور عدل و انصاف کے مقتضیات کو پیش نظر رکھے۔ یہ طرز اخلاق قوم پرستی کی عین ضد ہے کیونکہ اس کا مقصد یہ نہیں ہوتا ہے کہ کسی عالمگیر سوسائٹی کی بنیاد رکھی جائے یا انسانوں کو کسی بہتر زندگی کی تعلیم دی جائے بلکہ اپنی قوم کی بڑائی، ترقی اور خوشحالی خواہ وہ دوسری قوموں کے مفاد کو نقصان پہنچا کر حاصل کی جائے قوم پرستانہ تہذیب کا مقصود و مدعا ہوتا ہے۔ اس لئے مذہبی اخلاق اور قوم پرستانہ اخلاق میں فرق ہونا ضروری ہے۔

البتہ اس ضمن میں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہم مذہب کے عالمگیر اصولوں پر کاربند

ہوجائیں تو اس سے ہمارے قومی وجود کا تحفّظ کس طرح ہوگا۔ چونکہ مذہب کا اصل مقصد یہ نہیں ہے کہ کسی خاص قوم کے اجتماعی تحفّظ کا انتظام کیا جائے یا اس کے مفاد کی حفاظت کی جائے اس لئے اس کے اصولوں پر چلنے کی کوشش سے بہت ممکن ہے ہماری اپنی قومی زندگی کا تحفّظ خطرہ میں پڑ جائے اور عالمگیر انسانی اقدار کی ترویج و تبلیغ کے جوش میں ممکن ہے کہ ہماری قوم کو اپنے جائز مفادات اور اپنی اجتماعی ہستی سے ہاتھ دھولینا پڑے۔ بالفاظِ دیگر کیا قومی تحفّظ کے تقاضے اور سعی بقاء کی اجتماعی جدوجہد مذہب کے عالمگیر اقدار اور لاقومی اصولوں کے ساتھ جمع ہو سکتے ہیں۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ مذہب کے عالمگیر اقدار کی اشاعت اور نفاذ کے لئے کسی نہ کسی قومی گروہ کو منظم کرنا اور اس کے اجتماعی مفاد کی جائز حدود میں حفاظت کرنا ضروری ہے۔ کوئی مذہب یہ نہیں کرسکتا کہ جس قوم کے ذریعہ وہ اپنے عالمگیر اخلاقی اقدار کی تبلیغ کرنا چاہے اس کے مفاد اور تحفّظ کے تقاضوں کو اس حد تک نظرانداز کردے جس سے وہ قوم ہی صفحہ ہستی سے مٹ جائے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کہ کوئی قومی یا مذہبی لیڈر اپنی ذات کے لئے نہیں بلکہ اپنی قوم اور مشن کے لئے زندہ رہنا چاہتا ہو تو کیا وہ اپنے جسمانی وجود کی حفاظت اور اپنی جائز ضروریات کی تکمیل کے بغیر اپنے مشن کی کوئی خدمت انجام دے سکتا ہے۔ اگر ایسا نہیں ہوسکتا تو پھر اس میں اور دوسرے نفس پرست اشخاص میں کیا فرق ہے جن کا مطمح نظر صرف اپنی ذاتی ترقی، بڑائی اور خوشحالی ہو۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں میں پھر ایک بہت بڑا فرق موجود رہتا ہے۔ ایک مخلص مذہبی لیڈر یا مذہبی مبلغ کے نزدیک اپنی ذات اور اپنے مفاد کی حفاظت مقصود بالذّات نہیں ہوتی۔ وہ صرف اپنی قوم یا اپنے عالمگیر مشن کی خاطر اپنی ذاتی ضروریات اور اپنے نفس کے جائز حقوق کی تکمیل کرتا ہے۔ البتہ جہاں اس کے وسیع تر مقصد یعنی قومی فلاح یا تبلیغ دین کے تقاضوں اور اس کے ذاتی تحفّظ اور ذاتی مفاد کے تقاضوں میں تصادم ہو وہاں وہ آخرالذکر کو اس حد تک قربان کردیتا ہے جس حد تک کہ اس کے مشن کے لئے ایسا کرنا ضروری ہو۔ اس کے برخلاف ایک نفس پرست فرد جس کے سامنے اس کی ذاتی ترقی بڑائی اور خوشحالی کے سوا اور کوئی مطمح نظر نہیں ہوتا نہ صرف اپنے جائز مفاد کی حفاظت کرتا ہے بلکہ دوسروں کے حقوق پر دست اندازی کرکے اپنے لئے زیادہ سے زیادہ حقوق و مراعات، سہولتیں، آسانیاں، وسائل عیش اور سامانِ راحت مہیّا کرنا چاہتا ہے خواہ اس سے قوم کو بحیثیت مجموعی فائدہ ہو یا نقصان۔ پس یہی صورت مذہبی اور قومی تحریکات کی بھی ہوتی ہے۔ مذہب بھی قوم کی حفاظت اور قومی مفاد کے تحفّظ کو ایک وسیلہ اور ذریعہ کے طور پر مدِّنظر رکھتا ہے کیونکہ جس قوم کے واسطہ سے وہ اپنے مشن کی تبلیغ کرنا چاہتا ہے اس کے وجود کی حفاظت

اس کے لئے بہرحال ضروری ہے۔ لیکن وہ اس سے آگے بڑھ کر اپنی قوم کی ترقی، خوشحالی اور عظمت کی پرستش نہیں کرتا۔ وہ اپنی قوم کو اس کے جائز حقوق عطا کرتا اور اس کے وجود کی حفاظت کا سامان بھی کرتا ہے لیکن وہ یہ نہیں چاہتا کہ اس کی قوم دوسروں کے حقوق پر دست درازی کرے یا اپنی خوشحالی ترقی اور بڑائی کی خاطر دوسری اقوام کے جائز مفادات کو نقصان پہنچانے پر آمادہ ہو جائے۔ قومی حفاظت مذہب کے مشن کا ایک ضروری اور لازمی جزو ہے۔ لیکن وہ اسے ایک جزو ہی کی حیثیت میں محدود رکھنا چاہتا ہے۔ اپنی ساری جدوجہد اور تحریک کو اس مقصد کا خادم نہیں بناتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیائے کرام نے بھی اپنی قوم کے جائز مطالبات کو رد نہیں کیا اور نہ اپنے اُن قومی رسوم و روایات کو مٹانے کی کوشش کی جو مذہبی اور اخلاقی اقدار کے منافی نہ تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد سردارانِ قریش کے ساتھ جو فیاضانہ سلوک کیا اور جس کی وجہ سے انصار کے ایک گروہ کو آپ سے شکایت ہوگئی اس کی اور کیا وجہ تھی بجز اس کے کہ آپ نے یہ محسوس کیا کہ اسلام کی تبلیغ اور اشاعت میں قریش مکہ کے اثر و نفوذ کو استعمال کرنا ضروری ہے۔ "الائمۃ من القریش" کی مشہور حدیث جس کا غلطی سے مسلمانوں نے یہ مطلب سمجھا کہ اسلام نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خلافت اور سلطنت کو قریش کے لئے مخصوص کر دیا محض ایک امر واقعہ کا اظہار تھا۔ آپ جانتے تھے کہ عرب کے باشندے قریش کے علاوہ اور کسی کی سیادت قبول نہیں کرینگے اور اگر ان کے جذبات و احساسات کے علی الرغم اس کی کوشش کی گئی تو اس سے اسلام کو نقصان پہونچے گا۔ اس لئے آپ نے قریش کے احساس برتری کو کبھی مجروح نہ کیا بلکہ فتح مکّہ کے وقت ابوسفیان کا مرتبہ قائم رکھنے کے لئے آپ نے حکم دیا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر پناہ لے اس سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ اسلام کے جو مخالفین اس پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ خلافت راشدہ اور بنو اُمیہ کے دَور میں عربی قومیت اسلام کے عالمگیر مشن پر حاوی رہی اور اسلام درحقیقت عربوں کی ایک قومی تحریک تھی وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ عربوں کو اسلام نے اپنے مشن کا ایک ذریعہ اور آلۂ کار بنایا تھا۔ اس لئے وہ عربوں کے قومی احساسات اور ان کے قومی مفادات کی طرف سے بالکل لاپرواہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر ابتدائے اسلام میں عربی قومیّت کا رنگ مذہبی احساسات پر غالب نظر آتا ہے تو یہ اُس صورت حال کا لازمی نتیجہ تھا جس میں اسلام پیدا ہوا۔ جن مستشرقین کو اسلام سے تعصّب اور عداوت نہیں ہے وہ اس امر کا اعتراف کرنے میں پس و پیش نہیں کرتے ہیں کہ عربی قومیّت کے چند اجزاء کے شامل ہو جانے سے اسلام کی عالمگیریت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ سوال یہ ہے کہ اگر عربوں کی فتوحات اسلام کے زیر اثر عمل

میں نہ آتیں بلکہ کسی خالص قومی تحریک کا نتیجہ ہوتیں تو کیا ایرانیوں، رومیوں اور مصریوں یا عیسائیوں، یہودیوں اور مجوسیوں کے ساتھ ان کے برتاؤ میں کوئی فرق نہ ہوتا اور عربی امپیریلزم کے تحت کیا ان کے ساتھ وہی فیاضانہ سلوک کیا جاتا جو اسلام کے تحت کیا گیا۔ جو لوگ جوشِ تعصب سے اندھے نہیں ہوئے ان کے نزدیک اس سوال کا جواب یہی ہوگا کہ عربوں کی فتوحات ان کی کسی قومی تحریک کے تحت عمل میں آتیں تو اُن سے غیر عربی قوموں کو وہ فوائد حاصل ہوتے جو اسلام کی وجہ سے ہوئے؟

قابلِ دید انگریزی مطبوعات

اسلامک آئڈیالوجی
مصنفہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم صاحب
قیمت دس روپے

محمدی ایجوکیٹر
مصنفہ رابرٹ گلک
قیمت تین روپے آٹھ آنے

اسلام اینڈ کمیونزم
مصنفہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم صاحب
قیمت آٹھ روپے

اسلام اینڈ تھیوکریسی
مصنفہ مظہرالدین صدیقی صاحب
قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

فنڈامنٹل ہیومن رائٹس
مصنفہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم صاحب
قیمت آٹھ آنے

ویمن ان اسلام
مصنفہ مظہرالدین صدیقی صاحب
قیمت پانچ روپے بارہ آنے

— ملنے کا پتہ —

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ ۔ ۲ کلب روڈ ۔ لاہور